کلیۂ علوم اسلامیہ و ادبیات شرقیہ جامعہ پنجاب کے

سہ ماہی مجلہ تحقیق

کا

جامعہ پنجاب کی صد سالہ تقریبات

کے سلسلے میں

خصوصی شمارہ

جس میں کلیہ کے تمام شعبوں سے متعلق تحقیقی مقالات شامل ہیں

مدیر
ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک

ملنے کا پتہ
ڈین ، کلیۂ علوم اسلامیہ و ادبیات شرقیہ
جامعہ پنجاب ، اولڈ کیمپس ، لاہور (پاکستان)

ڈاکٹر محمود الحسن عارف*

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ کے اجداد

تاریخ کی یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ بعض اکابر ملت بیک وقت معروف بھی ہوتے ہیں اور مجہول بھی ۔ معروف اس لحاظ سے کہ سیرت و تذکرہ کی قریب قریب ہر کتاب میں ان کا تذکرہ موجود ہوتا ہے ، اور مجہول اس جہت سے کہ ان کے بارے میں ضروری اور اہم باتیں بھی لوگوں کو معلوم نہیں ہوتیں ۔

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) بھی جو چالیس کے قریب کتابوں کے مصنف ، عربی فارسی کے ایک نامور قلمکار ، تفسیر مظہری جیسی عدیم المثال تفسیر کے مرتب ہیں ، تاریخ کی اس ستم ظریفی کا شکار ہوئے ہیں ۔ یوں تو ایک طرف ان کا تذکرہ ملکی سطح کی ہی نہیں ، بلکہ بین الاقوامی سطح کی کتابوں مثلاً بروکلمان (C. A. Brockelmann) کی تاریخ آداب اللغۃ العربیہ[1] (G. A. L) ، یوسف الیان سرکیس کی معجم المطبوعات العربیہ[2] ، عمر رضا کحالہ کی معجم المؤلفین[3] اور اسماعیل پاشا البغدادی کی ایضاح المکنون[4] جیسی کتابوں میں موجود ہے ، مگر دوسری طرف سیرت و تذکرہ کی یہ سینکڑوں کتب ہمیں ان کی ذات اور شخصیت کے بارے میں بنیادی اور ضروری باتیں بتانے سے قاصر ہیں ۔ ایسی باتوں میں قاضی صاحب کے اجداد کا مسئلہ سرفہرست ہے ۔

سیر و تذکرہ کی کتابوں میں قاضی صاحبؒ کے بارے میں یہ تو بتایا جاتا ہے کہ وہ نسباً عثمانی اور مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیاءؒ کے اخلاف میں سے تھے ، مگر اس سے آگے جو نکات ان کی شخصیت کی بادہ پیمائی کے لیے ضروری ہیں ، ان کتابوں میں ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا ۔ انتہا یہ کہ عربی ، فارسی ، اردو اور انگریزی زبانوں کی کتب تذکرہ میں ان کے والد کا نام تک مذکور نہیں ہے ۔ حالانکہ ان کے سوانح نگاروں کی طویل فہرست میں شاہ غلام علی دہلوی صاحب

---

*ایڈیٹر ، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ، پنجاب یونیورسٹی

۱۔ دیکھیے تکملہ (Supple) ، ۲ : ۸۴۹

۲۔ مطبوعہ قاہرہ ، ۱۹۲۸ء ، ۱۹۳۱ ، ۲ : ۱۹۴۵

۳۔ مطبوعہ دمشق ، ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء ، ۹ : ۱۴۴

۴۔ مطبوعہ استانبول ، ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء ، ۱ : ۳۱

مقامات مظہری[1] ، نواب صدیق حسن خاں قنوجی صاحب اتحاف النبلاء[2] ، مولانا عبدالحی لکھنوی صاحب نزہۃ الخواطر[3] ، شیخ محمد یحییٰ ترہتی صاحب الیانع الجنی من مسانید عبدالغنی[4] ، مفتی غلام سرور قادری صاحب خزینۃ الاصفیاء[5] ، مولوی رحمان علی صاحب تذکرہ علمائے ہند[6] اور مولوی فقیر محمد جہلمی صاحب حدائق الحنفیہ[7] جیسے ارباب علم شامل ہیں ۔

اس تاریخی غفلت میں ، میرے خیال کے مطابق ان اکابر امت کا ہرگز قصور نہیں ہے، کیونکہ ان تمام سوانح نگاروں نے اپنے وسائل کے مطابق خوب تحقیق اور تدقیق سے کام لیا ہے ، مگر شومی قسمت سے اس موضوع پر معلومات ہی دستیاب نہیں ہیں ۔

حال ہی میں راقم الحروف کو ''جامعہ پنجاب'' کی طرف سے قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی پر تحقیق کرنے کا موقع ملا ۔ اس سلسلے میں راقم الحروف نے ''تاریخ'' کا یہ جو گم شدہ ورق تلاش کیا ہے ، اس کی کچھ تفصیلات حسب ذیل ہیں :

نسب نامۂ پدری

قاضی صاحب کے پدری نسب نامے کو ابتداءً دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔

(الف) حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء سے حضرت عثمان غنی تک ۔

(ب) حضرت قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ سے حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء عثمانیؒ تک ۔

(الف) حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء عثمانی سے حضرت عثمان غنی تک ۔
قاضی صاحب کے نسب نامے کا یہ حصہ کافی حد تک مشہور ہے اور متعدد

۱۔ مطبوعہ دہلی ، ص ۵۷ و بعدہ

۲۔ ص ۶۸۹

۳۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن ، ۷ : ۱۱۲ و بعد

۴۔ مطبوعہ دیوبند بر حاشیہ کشف الاستار

۵۔ مطبوعہ نولکشور ، لکھنؤ ، ص ۶۸۹

۶۔ طبع و ترجمہ محمد ایوب قادری کراچی ، ص ۱۳۲

۷۔ ص ۴۶۵

کتابوں ، مثلاً الہ دیا عثمانی کی سیر الاقطاب[۱] ، عبدالستار بیگ کی مسالک السالکین[۲] ، عطا حسین کی کنز الانساب[۳] اور مولانا محمد میاں کی 'پانی پت اور بزرگان پانی پت' وغیرہ میں بتفصیل مذکور ہے ، یہ سلسلۂ نسب کچھ اس طرح ہے :

مخدوم شیخ جلال الدین (۱) بن خواجہ محمود (۲) بن خواجہ یعقوب (۳) بن خواجہ عیسیٰ (۴) بن خواجہ اسماعیل (۵) بن خواجہ محمد (۶) بن عبداللہ المعروف بابن ابی بکر (۷) بن خواجہ علی (۸) بن خواجہ عثمان (۹) بن خواجہ عبداللہ ثالث (۱۰) بن خواجہ عبدالرحمان ثانی الکاذرونی (۱۱) بن خواجہ عبدالعزیز سرخسی (۱۲) بن خواجہ خالد (۱۳) بن خواجہ ولید (۱۴) بن خواجہ عبدالعزیز (۱۵) بن خواجہ عبدالرحمان اکبر (۱۶) بن خواجہ عبداللہ ثانی [کذا ؟ ثانی) (۱۷) بن خواجہ عبدالعزیز (۱۸) بن خواجہ عبداللہ کبیر (۱۹) بن خواجہ عمر [کذا ؟ عمرو] (۲۰) بن امیر المؤمنین جامع القرآن سیدنا عثمان بن عفان (۲۱) بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس ۔[۴]

مخدوم شیخ جلال الدینؒ اور ہندوستان کے خاندان عثمانی کے اس سلسلۂ نسب میں چند امور تحقیق طلب ہیں :

(الف) خواجہ عمر یا خواجہ عمرو

اس ''سلسلۂ نسب'' میں بانی و مؤسس خاندان حضرت عثمان کے جس صاحبزادے کو ''جد اعلیٰ'' قرار دیا گیا ہے ۔ ان کا نام عمر تھا یا عمرو ، یہ مسئلہ بھی تحقیق طلب ہے ۔ اس نکتے کی مزید تفصیل یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے نو بیٹے پیدا ہوئے ، جن کے اسماے گرامی حسب ذیل ہیں ۔

۱۔ عبداللہ اکبر

ان کی والدہ جگر گوشۂ رسولؐ حضرت رقیہؓ تھیں ، مشہور روایت کے

۱۔ تصنیف ۱۰۳۶ تا ۱۰۵۵ھ ، مطبوعہ نولکشور ، ص ۲۳۲ ، ذکر شاہ اعلیٰ پانی پتی

۲۔ ۲ : ۳۵۰ ، ذکر جلال الدین کبیر الاولیاء

۳۔ ۲ : ۳۵

۴۔ مطبوعہ پانی پت ، ص ۲۰۰ ، ۲۷۳

۵۔ ایضاً ، حوالات مذکورہ

مطابق عبداللہ کا انتقال چھ برس کی عمر میں ہوا ۔[1]

۲۔ عبداللہ الاصغر

ان کی والدہ فاطمہ بنت غزوان تھیں ، وہ بھی لاولد فوت ہوئے ۔[2]

۳۔ عمرو

ان کی والدہ ام عمر بنت جندب الازدیہ تھیں ۔[3]

۴۔ ابان

۵۔ خالد

۶۔ عمر

۷۔ سعید

ان کی والدہ فاطمہ بنت عینیہ تھیں ۔[4]

۸۔ الولید

ان کی والدہ بھی مقدم الذکر تھیں ۔

۹۔ عبدالملک

بچپن میں وفات پا گئے ۔ ان کی والدہ ام البنین بنت عیینہ تھیں ۔[5]

تمام مطبوعہ نسب ناموں (مثلاً سیر الاقطاب ، سیر السالکین ، پانی پت و بزرگان پانی پت وغیرہ) میں قاضی صاحب کے مورث اعلیٰ کا نام ''خواجہ عمر'' (عین پر پیش کے ساتھ) ہی لکھا ہے ، جو کہ راقم الحروف کے خیال میں درست نہیں ، دراصل یہ ایک کتابت کی غلطی تھی ، جو آگے سے آگے ممتد رہی ۔ کیونکہ عمر بن عثمان لاولد فوت ہوئے ۔ ان کے بارے میں مشہور نسب دان القلشندی لکھتے ہیں :

ان عمر و خالد لا عقب لھما[6]

(عمر اور خالد کا سلسلہ آگے نہیں چلا)

جبکہ ابن حزم نے انھیں لاولد تو نہیں کہا ، مگر ان کی اولاد کی جو تفصیل

۱۔ ابن حزم : جمرۃ انساب العرب ، ص ۸۳

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً

۶۔ نھایۃ الارب فی انساب العرب ، ص ۱۳۶

دی ہے ، وہ مذکور ''سلسلۂ نسب'' سے مطابقت نہیں رکھتی ۔ علامہ ابن حزم کے مطابق عمر بن عثمان کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے ۔ (۱) زید بن عمر : جن کا نکاح مشہور خاتون حضرت سکینہ بنت حسینؓ کے ساتھ ہوا ، مگر وہ اپنے دونوں صاحبزادوں کے ساتھ ایک جنگ میں کام آ گئے اور یوں ان کی نسل منقطع ہو گئی ۔ (۲) عاصم : عاصم بن عمر کے دو بیٹے تھے ، جو صاحب اولاد تو تھے ، مگر خود حضرت عاصم اور ان کے اخلاف میں سے کسی کا نام بھی ''شجرۂ نسب'' کے ناموں کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا ۔

اس کے برعکس عمرو بن عثمان کے فرزندوں میں عبداللہ (عدد ۱۹) نام کا بیٹا ملتا ہے اور سلسلۂ نسب آگے چلتا ہوا نظر آتا ہے ۔[1] چنانچہ قلمی ''شجرہ ہائے نسب'' سے جو مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء کے اخلاف میں محفوظ چلے آتے ہیں، اسی خیال کی تائید ہوتی ہے ، ان میں سورث اعلیٰ کا نام عمر کے بجائے عمرو ہی مرقوم ہے ۔

یہ خواجہ عمرو (عین کی زبر کے ساتھ) حضرت عثمان کے نہایت نامور فرزند تھے ۔ انہی کے نام پر حضرت عثمان نے اپنی کنیت ابو عمرو تجویز فرمائی تھی ۔ انھوں نے متعدد صحابہ کبار سے روایت کی ہے ۔ ابن سعد نے ان کو تابعین کے طبقۂ اولیٰ میں اور العجلی نے کبار تابعین میں شمار کیا ہے ۔ ان کا نکاح رملہ بنت معاویہ سے ہوا ۔[2] ان کا دوسرا نکاح حفصہ بنت عبداللہ بن عمر فاروق سے ہوا ، جن سے خاندان عثمانی کے دوسرے جد اعلیٰ عبداللہ بن عمرو بن عثمان ، المعروف بہ طرف پیدا ہوئے ، جو نہایت حسین و جمیل اور وجیہ شخص تھے ۔ اس طرح دوسری کڑی پر پہنچ کر اس خاندان کے خون میں فاروقی خون کی آمیزش ہو گئی[3]۔

(ب) سلسلۂ عثمانی کے بزرگوں کا ہندوستان میں ورود

دوسرا تحقیق طلب معاملہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ جیسے بابرکت مقام سے یہ شاخ ہندوستان جیسے دور افتادہ ملک میں کیسے پہنچی ؟

شجرہ ہائے نسب کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ پہلے شخص جنھوں نے مدینہ منورہ کی سکونت ترک کی وہ عبدالرحمان کبیر (عدد ۱۶) تھے ۔ حکیم اللہ دیا عثمانی سیر الاقطاب میں لکھتے ہیں :

۱۔ جمرة انساب العرب ، ص ۸۳ تا ۸۵
۲۔ ابن حجر العسقلانی : تہذیب التہذیب، ۸ : ۷۹
۳۔ ایضاً ، حوالات مذکورہ

''عبدالرحمان کبیر کہ از مدینہ بکاذرون آمدہ''[1]

گویا ہندوستان کی طرف ہجرت کے مرحلۂ اول کے طور پر خاندان کے ایک جد امجد عبدالرحمان نے ایران کے مشہور شہر کاذرون[2] میں سکونت اختیار کر لی - مگر کتب تاریخ میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ملتا کہ وہ کون سے ناخوشگوار حالات تھے جن کی بدولت خاندان عثمان کے اس معزز فرد کو جوار رسول چھوڑ کر فارس کے ایک دور دراز شہر کاذرون میں پناہ لینا پڑی -

تاہم اگر ان حالات پر نگاہ رکھی جائے جن کی بدولت ۱۳۲ھ/۷۴۹ء میں بنو عباس بنو امیہ (۴۰ - ۱۳۲ھ) سے تخت حکومت چھین کر ، نہ صرف کرسی اقتدار پر متمکن ہوگئے ، بلکہ انھوں نے بنو امیہ کے بچے کھچے افراد کے لیے جان و مال اور سب سے بڑھ کر عزت و ناموس کے تحفظ کا مسئلہ پیدا کر دیا تھا ، تو اس ہجرت کے اسباب و عوامل کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے -

بنو عباس کے حکمران اول ابو العباس السفاح (۱۳۲ - ۱۳۶ھ) نے اس حد تک اپنے مخالفین (بنو امیہ) کا خون بہایا کہ اس کا نام ہی السفاح (خونریزی کرنے والا) پڑ گیا - اس کی موت (م ۱۳۶ھ) کے بعد ابو جعفر المنصور (۱۳۶ - ۱۵۸ھ) نے تا دیر اس مذموم سلسلے کو جاری رکھا - دار و گیر کے اس سلسلے میں گو مروان بن الحکم اور ابو سفیان کی اولاد کا نام سرفہرست تھا ، مگر بنو عثمان بھی ''امویت'' کے جرم میں سزا و جفا سے نہ بچ سکے - چنانچہ حضرت عثمان کے پرپوتے (عبداللہ بن عمر کے برخوردار) محمد المعروف بالدیباج کی نسبت ابن حزم وغیرہ نے صراحت کی ہے کہ انھیں دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور نے ''بجرم امویت'' قتل کرا دیا تھا -[3] اسی طرح خاندان عثمانی کے ایک اور معزز شخص اور زیر بحث سلسلے کے ایک مورث اعلیٰ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمرو کو بھی اسی ''جرم'' میں ان کے ایک بیٹے اور دو بیٹیوں سمیت ہلاک کر دیا گیا تھا -[4] ان حالات میں اگر ان کے پوتے عبدالرحمان اکبر نے جوار رسول کو

۱- سیر الاقطاب ، ص ۲۳۳ -

۲- کاذرون : یہ ایران کے صوبہ فارس کا مشہور تاریخی شہر ہے ، یہ شیراز سے ۵۵ میل بجانب مغرب ، سمندر اور شیراز کے مابین تقریباً تین ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے - یہ شہر شروع سے گنجان آباد اور مردم خیز رہا ہے ، اور اپنے عمدہ باغات اور قالین بافی کی صنعت کی وجہ سے ہمیشہ مشہور رہا ہے -
(اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ، ۱۷ : ۱۳)

۳- ابن حزم : جمرۃ انساب العرب ، ص ۸۴

۴- ایضاً ، عجل مذکور -

چھوڑ کرفارس کے دور دراز شہر کاذرون میں رہائش اختیار کر لی تو اسے حق بجانب قرار دیا جا سکتا ہے -

عبدالرحمان اکبر کا زمانہ دوسری صدی ہجری کا آخری حصہ قرار دیا جا سکتا ہے - کیونکہ ان کے دادا کو ابو جعفر المنصور (۱۳۶ھ/۷۵۴ء - ۱۵۸ھ/۷۷۵ء) نے قتل کرا دیا تھا ، اس واقعے سے ان کی ہجرت کا بھی زمانہ قیاس ہوتا ہے -

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان کاذرون میں بھی زیادہ عرصے تک نہ ٹھہر سکا ، کیونکہ شجرۂ نسب کے ایک جد رکن عبدالعزیز السرخسی کی نسبت ''السرخسی'' سے متبادر ہوتا ہے کہ موصوف نے کاذرون سے ترک وطن کرکے سرخس[1] شہر میں سکونت اختیار کر لی تھی جبکہ ان کے صاحبزادے (نسب نامہ ، عدد ۱۱) کاذرون میں ہی مقیم رہے -

(ج) عبدالرحمان الکاذرونی کی ہندوستان آمد

کاذرون یا سرخس سے عثمانی خاندان کی یہ شاخ ہندوستان یا پانی پت کیسے پہنچی، اس کی بابت وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا ، کیونکہ اس بارے میں قدیم مصادر سے کوئی ٹھوس شہادت دستیاب نہیں - خود عثمانی قدیم مؤرخ اللہ دیا عثمانی یہ کہہ کر گزر جاتا ہے کہ :

''شیخ المشائخ مخدوم زینا کہ جد کلان او بود ہمراہ جد کلان حضرت قطب ربانی از کاذرون آمدہ و باغبانی میکرد و در قصبۂ آلدری آسودہ''[2]

تاہم پانی پت کے عثمانی خاندان میں جو روایت مشہور ہے اور جسے سید محمد میاںؒ نے ایک معروف پانی پتی بزرگ ''مسیح اللہ پانی پتی کے حوالے سے اپنی کتاب (پانی پت اور بزرگان پانی پت) میں شامل کیا ہے ، یہ ہے کہ ہندوستان اور پانی پت میں انھی عبدالرحمان الکاذرونی کے ذریعے سے پہلے پہل یہ شاخ پہنچی ، انھوں نے اسی حوالے سے لکھا ہے کہ عبدالرحمان الکاذرونی نے سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ/ ۱۰۳۱ء) کے لشکر میں بطور ایک سالار کے شریک ہوکر ہندوستان میں جہاد کرنے

۱- سرخس کا شہر مشہد اور مرو کے درمیان اس جگہ واقع ہے جہاں ایران اور روس کی موجودہ سرحد مشرق سے جنوب کی طرف مڑتی ہے - یہ شہر ہری رود کے نشیبی طاس میں واقع ہے، جو سال کے صرف ایک حصے میں جاری رہتا ہے - شہر سرخس اور مرو کے درمیان قراقرم کا ترکمان علاقہ ہے - یہ شہر بھی بڑا مردم خیز رہا ہے (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ، ۱۰ : ۸۱۱) -

۲- سیرالاقطاب ، ص ۲۱۴ ، ذکر مخدوم زینا -

کا شرف حاصل کیا تھا اور سلطان محمود کی واپسی کے بعد واپس لوٹنے کے بجائے پانی پت میں سکونت اختیار کر لی تھی[1]۔ اسی روایت کو فاضل محقق مولانا محمد تقی عثمانی نے بھی قبول کیا ہے[2]۔ جبکہ ایک دوسری روایت کے مطابق الکاذرونی نے سلطان محمود غزنوی کے ایماء پر بغرض اشاعت اسلام پانی پت میں توطن اختیار کیا تھا[3]۔

راقم الحروف کے خیال میں اس ''سنی سنائی کہانی'' میں سلطان محمود غزنوی کا نام سننے والوں یا سنانے والوں کا تسامح ہے، کیونکہ سلطان محمود غزنوی نے آخری حملہ سومنات ۴۱۶ھ/۱۰۲۵ء میں کیا۔ اسی طرح الکاذرونی کے قیام پانی پت کا زمانہ تخمیناً ۴۱۶ھ/۱۰۲۵ء اور ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء کے مابین قرار پاتا ہے۔ اس وقت اس تمام علاقے میں متعصب ہندوؤں کی حکومت تھی جو مسلمانوں کے ساتھ سالہا سال سے برسرپیکار رہنے کے باعث ان کے خلاف شدید بغض و عناد رکھتے تھے۔ ان حالات میں مرکز حکومت دہلی کے قرب و جوار میں ایک ایسے مسلم خاندان کا وجود کیونکر گوارا کیا جا سکتا تھا، جس نے سلطان محمود کے ساتھ شامل ہو کر ان کے خلاف جنگ میں شرکت کی ہو؟

اس علاقے کو سلطان قطب الدین ایبک (م ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء) نے نواح ۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء میں فتح کرکے اسے اپنی قلمرو میں شامل کیا[4]۔ اس طرح تقریباً ہونے دو صدیوں تک اس خاندان کا تن تنہا پانی پت میں رہنا اور بھی زیادہ مشکل، بلکہ ناممکن دکھائی دیتا ہے۔

اسی پس منظر میں راقم الحروف کا ابتدا سے ہی یہ خیال تھا کہ مذکورہ بالا کہانی میں سلطان محمود غزنوی کی جگہ سلطان قطب الدین ایبک کا نام ہونا چاہیے، چونکہ دونوں سلاطین کے حکومتی علاقے قریب قریب ایک ہی جیسے تھے، اس لیے الکاذرونی کا بغرض جہاد ان کے لشکر میں شامل ہونا اور دہلی کی فتح کے بعد پانی پت میں آباد ہونا دونوں ہی درست معلوم ہوتے ہیں۔ ابتداءً تو یہ محض قیاس ہی تھا مگر مخدوم شیخ جلال الدین کے بڑے صاحبزادے خواجہ عبدالقادر کی اولاد و احفاد پر مشتمل ایک ''قلمی نسب نامے'' سے اس قیاس کی تصدیق ہو گئی۔

۱۔ پانی پت اور بزرگان پانی پت، ص ۲۰۰، ۲۷۲

۲۔ مقدمہ ''بائبل سے قرآن تک''، ذکر حالات مولانا رحمت اللہ کیرانوی عثمانی، ص ۱۸۰، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۸ھ

۳۔ قاری ابو محمد محی الاسلام: تعارف تفسیر مظہری (قلمی)، ص ۱، حاشیہ ۲

۴۔ مقالہ — ایبک، در اردو دائرۂ معارف اسلامیہ

اس دستاویز میں تصریح ہے کہ الکاذرونی سلطان قطب الدین ایبک کے ہمراہ وارد ہندوستان ہوئے[1] ۔

الکاذرونی ، ہندوستانی عثمانی خاندانوں کے جد امجد

الکاذرونی مذکور ، کے دیگر حالات و کوائف غیرمعلوم ہیں ، صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ وہ ایک مرد مجاہد اور غازی صف شکن تھے اور فتح دہلی کے بعد وہ بغرض اشاعت اسلام پانی پت میں مقیم ہوگئے ۔ تاہم ان کے بارے میں اتنا یقینی ہے کہ وہ ہندوستان (پاکستان) کے جملہ عثمانی خانوادوں کے مورث اعلی ہیں ۔ ان میں مخدوم شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء کی اولاد کے سلاسل اربعہ کے علاوہ دیوبند (یو - پی) کا وہ خاندان بھی شامل ہے جس میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن ، مولانا شبیر احمد عثمانی ، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع صاحب معارف القرآن جیسے اکابر علما ہو گزرے ہیں ۔ گو یہ مسئلہ ابھی تک تحقیق طلب ہے کہ پانی پت سے یہ شاخ دیو بند اور دیگر اکناف ہند میں کب اور کس طرح پہنچی ۔

(د) مخدوم شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء عثمانی

قاضی صاحب کی تیرھویں پشت پر ہندوستان کے معروف چشتی صابری سلسلے کے بزرگ مخدوم جلال الدین کبیرالاولیاء کا نام آتا ہے جو کہ مشہور شیخ طریقت گزرے ہیں ۔ والدین نے ان کا نام محمد رکھا ، مگر مرشد کامل نے جلال الدین اور فیض یافتگان نے کبیرالاولیاء کے نام سے موسوم کیا[2] ۔

وہ ابھی نوعمر ہی تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔ چچا یا دادا نے ان کی پرورش کی ، مگر بیجا لاڈ پیار نے ان کو خود سری اور آزاد خیالی کے رنگ میں رنگ دیا[3] ۔ ایک روز اپنی اسی آن بان کے ساتھ سرخ لباس زیب تن کیے ، سرخ گھوڑے پر سوار ہو کر مشہور پانی پتی مجذوب شرف الدین بو علی قلندر کے سامنے سے گزرے تو انھیں اس نوجوان کی شکل میں مستقبل کا معمار نظر آیا ۔ بے ساختہ فرمایا : زہے اسپ و زہے سوار[4] ۔

اس ایک مجذوبانہ فقرے نے نوجوان جلال کی کایا پلٹ کر دی[5] ۔ وہ سب کچھ

۱- یہ قلمی نسب نامہ مذکورہ سلسلے کے ایک بزرگ پیر فرید محمد صابری ساکن مین بازار شاہدرہ کی ملکیت ہے

۲- سیرالاقطاب ، ص ۱۹۷ - ۲۰۵

۳- انوار العارفین ، ص ۳۸۷

۴- سیرالاقطاب ، ص ۲۰۱ و بیعد

۵- غلام سرور، مفتی : خزینۃ الاصفیاء ، ص ۳۲۱ - ۳۲۲

چھوڑ کر ان کے آستانۂ عقیدت پر حاضر ہوگئے، مگر شاہ بو علی قلندر نے فرمایا کہ تمھاری کشا کش کسی اور شخص پر موقوف ہے۔ چنانچہ کچھ ہی دنوں کے بعد سر زمین پانی پت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی (م ۷۳۶ھ / ۱۳۳۵ء) کی آمد سے مطلع انوار بن گئی تو شیخ جلال نے ان کی بیعت کرکے اپنی دلی مراد پوری کی۔

اپنے مرشد کامل سے خصوصی کسب فیض اور طویل سیاحت کے بعد پانی پت میں ہی مسند ارشاد و طریقت کو رونق بخشی اور اپنے روحانی فیوض و کمالات سے پورے ہندوستان کو فیض یاب کیا۔ ۵ ذی القعدہ یا ۱۳ ربیع الاول ۷۶۵ھ/ ۱۳۶۳ء کو یہیں وصال فرمایا اور یہیں مدفون ہوئے۔ ان کا مزار مرجع خلائق ہے[1]۔

مخدوم شیخ جلال کے قاضی صاحب سے تعلق کے بارے میں بھی کچھ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔مشہور جرمن مستشرق C.A. Brockelmann نے لکھا ہے کہ مخدوم شیخ جلال قاضی صاحب کے والد تھے[2] جو تسامح ہے۔ اسی طرح مشہور علمی رسالے معارف (اعظم گڑھ) کے مقالہ نگار محمد فاروق بھرائچی[3] اور ان کے تتبع میں امام یحیی خان نوشہروی نے بیان[4] کیا ہے کہ مخدوم شیخ جلال قاضی صاحب سے دسویں پشت پر تھے۔ حالانکہ مخدوم شیخ جلال قاضی صاحب کی تیرھویں پشت پر آتے ہیں۔

نسب نامۂ پدری کا حصہ دوم

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی سے مخدوم شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء تک کا نسب نامہ کسی بھی مطبوعہ کتاب میں نہیں ملتا۔ راقم الحروف کو اس حصے کی طلب و جستجو میں کئی شہروں کی خاک چھاننا پڑی اور ملا تو اپنے شہر کے ہی ایک بزرگ سے مل گیا۔

مخدوم شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء کے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ان کے چار بیٹوں (خواجہ عبدالقادر، خواجہ ابراہیم، خواجہ شبلی (م ۸۵۲ھ/۱۴۴۸ء)

۱- دیکھیے عبدالستار مرزا: مسالک السالکین، ۲: ۳۵۰؛ سیرالاقطاب، ص ۲۱۳
انوارالعارفین، ص ۳۸۸

۲- دیکھیے Supplement to G.A.L. (تکملہ)، ۲: ۸۴۹

۳- معارف (اعظم گڑھ)، جلد ۲۳، شمارہ ۶، ص ۴۴۸، ۱۹۲۹ء

۴- تراجم علمائے حدیث، ص ۲۱۲

اور خواجہ کریم الدین) سے اولاد کے چار مستقل سلسلے چلے، جبکہ صاحبزادیوں سے پانی پت کا انصاری خاندان ننھیالی قرابت رکھتا ہے۔

ان میں سے خواجہ ابراہیم قاضی صاحب کے جد امجد تھے۔ ان کے متعلق خود قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ ان کے والد بزرگوار نے ان کو یہ بشارت دی تھی کہ: در نسل تو ہمیشہ علما خواهند بود' — قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں مخدوم شیخ جلال الدین کی بشارت کے عین مطابق اب تک علمی وراثت کا سلسلہ اس خاندان میں قائم ہے اور علم ظاہر کا یہ سلسلہ ان کے زمانے تک اس خاندان سے منقطع نہیں ہوا۔

مخدوم شیخ جلال تک قاضی صاحب کا شجرۂ نسب اس طرح پہنچتا ہے:

''قاضی محمد ثناء اللہ بن مولوی محمد حبیب اللہ(۱) بن مولوی ہدایت اللہ(۲) بن مولانا عبدالہادی(۳) بن سعید الدین(۴) بن شیخ عبدالقدوس(۵) بن شیخ خلیل اللہ(۶) بن مفتی عبدالسمیع (۷) بن شیخ حسین(۸) عرف منا بن خواجہ محفوظ(۹) بن خواجہ احمد(۱۱) بن خواجہ ابراہیم(۱۲) بن مخدوم شیخ جلال الدین(۱۳) کبیرالاولیاء عثمانی''[۲]

نسب نامے کے متعلق قاضی صاحب کی ایک نادر تحریر

قاضی صاحب کے مذکورہ ''نسب نامے'' کے متعلق قاضی صاحب کی اپنی بھی ایک نادر تحریر ملتی ہے، جسے مولوی نعیم اللہ بہڑائچی نے بشارات مظہریہ (قلمی) میں شامل کتاب کیا ہے۔ یہ تحریر حسب ذیل ہے:

''بقیر مولوی محمد ثناء اللہ بن مولوی حبیب اللہ(۱) کہ در خدمت حضرت شیخ[۳] نسبت مجددیہ اخذ نمودہ فقیر کاتب گوید اول کسے را کہ حضرت شیخ

۱۔ مولوی نعیم اللہ بہڑائچی: بشارات مظہریہ (قلمی)، ورق ۱۳۶ ب۔

۲۔ نسب نامہ اولاد خواجہ ابراہیم، مملوکہ خواجہ مشکورالحق عثمانی، محررہ حکیم سراج الاسلام عثمانی (قلمی)؛ (۲) تعارف تفسیر مظہری، محررہ قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی (قلمی)؛ (۳) مولانا الیف اللہ عثمانی، فاضل دیوبند (سرگودھا) مرتبہ نسب نامہ (قلمی)۔

۳۔ ''حضرت شیخ'' سے قاضی صاحب کی مراد شیخ محمد عابد سنامی (م ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ء) ہیں، جو قاضی صاحب کے مرشد اول اور حضرت مظہر جانجاناں اور قاضی صاحب کے والد کے مرشد خصوصی تھے، بہت بڑے عالم اور روحانی صفات کے حامل بزرگ تھے۔

بعد از اجازت توجہ دادند ایشان بودند بن مولوی ہدایت اللہ(۲) کہ نسبت چشتیہ از خاندان شیخ عبدالقدوس گنگوهی درخواستہ ۔ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ در علوم ظاہر ازیشان استفادہ فرمودند بن شیخ عبدالہادی(۳) بن شیخ عبدالقدوس(۴) بن شیخ خلیل اللہ(۵) کہ نسبت چشتیہ از پدر خود شیخ عبدالسمیع(٦) یافتہ و مشار الیہ از خلفای شیخ عبدالقدوس بود بواسطہ یا بلا واسطہ بن شیخ حبیب اللہ(۷) بن شیخ محفوظ(۸) بن خواجہ احمد(۹) بن ابراهیم(۱۰) بن مخدوم جلال الدین(۱۱) کبیرالاولیاء" ۱۔

یہ تحریر چونکہ برجستہ اور قلم برداشتہ لکھی گئی تھی ۔ اس لیے خود قاضی صاحب کو بھی بعض اجداد کی نسبت "بواسطہ یا بلا واسطہ" کا شبہ ہے اور واقعہ بھی یہ ہے کہ قاضی صاحب اس تحریر میں دو پشتوں (سعید الدین، عدد ۴ اور شیخ حسین عرف منا، عدد ۹) کو قلمزد کر گئے ہیں ۔

قاضی صاحب کی اس تحریر سے معارف (اعظم گڑھ) کے مقالہ نگار کو غلط فہمی ہوئی اور انھوں نے اس تحریر کے زیر اثر یہ لکھ دیا کہ مخدوم شیخ جلال قاضی صاحب کی دسویں پشت پر ہیں ، حالانکہ مذکورہ تحقیق کی روشنی میں مخدوم شیخ جلال قاضی صاحب کی تیرھویں پشت پر ہیں ۔

(۲)

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ کی ننھیال

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ کی ننھیال کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ قاضی صاحب کی والدہ ماجدہ بادشاہ بیگم (جنھیں حضرت مظہر جانجاناںؒ بیگمی صاحب لکھتے تھے) ، مشہور مغلیہ سپہ سالار نواب شمس الدولہ لطف اللہ خان صادق بہادر تہور جنگ کی صاحبزادی تھیں ۔ نواب صادق پانی پت کے انصاری خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔

پانی پت کا انصاری خانوادہ ، جس سے قاری عبدالرحمان محدث پانی پتی اور مولانا الطاف حسین حالی جیسے ارباب علم کا نسبی تعلق ہے ۔ مشہور صحابی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اولاد میں سے ہے ، جو مدینہ منورہ کے اس مبارک خاندان سے

۱۔ بشارات مظہریہ (قلمی) ، مخزونہ برٹش میوزیم ، مائیکرو فلم ، مملوکہ مقالہ نگار ، ورق ۱۴٦ ب ۔

تعلق رکھتے تھے کہ جسے (بنو نجار) آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دادا کی ننھیال ہونے کا شرف حاصل تھا۔ قاضی صاحب کا نسب نامہ' مادری حضرت ابو ایوب انصاریؓ تک حسب ذیل ۴۰ واسطوں سے پہنچتا ہے:

''قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی بن مساۃ بادشاہ بیگم(۱) بنت نواب شمس الدولہ لطف اللہ خان صادق(۲) بن خواجہ عبدالرزاق(۳) عرف خواجہ بزرگ بن خواجہ عبدالسلام(۴) صوفی بن خواجہ عبداللہ(۵) بن عبدالقدوس(۶) بن جمیل الدین(۷) بن ابو الفتح(۸) بن زین الدین(۹) الملقب بہ عبدالکافی بن خواجہ ضیاء الدین(۱۰) بن ابو راشد(۱۱) بن ابو طاہر(۱۲) بن ابو تراب(۱۳) بن نصیر الدین(۱۴) بن مولانا قاضی (۱۵) ملک علی ہراتی بن میرک شاہ(۱۶)، شاہ ہرات، بن مسعود(۱۷) بن عمر(۱۸) بن ابراہیم(۱۹) بن علی(۲۰) سہیل بن ابو طاہر(۲۱) بن عنقہ(۲۲) بن انفع (۲۳) بن نافع(۲۴) بن محمد(۲۵) المعروف بہ امیر شیخ ابو اسحاق الملقب باَق خواجہ بن امیر محمود (۲۶) شاہ الملقب بانجو بن فضل اللہ(۲۷) بن عبداللہ(۲۸) بن اسعد(۲۹) انصاری بن محمد(۳۰) بن نصیر(۳۱) بن محمد(۳۲) بن حضرت شیخ الاسلام خواجہ ابو اسماعیل(۳۳) عبداللہ انصاری، المعروف بہ پیر ہرات، بن ابو منصور(۳۴) محمد بن علی(۳۵) بن محمد(۳۶) بن احمد(۳۷) بن علی(۳۸) بن جعفر انصاری(۳۹) بن ابو منصور امت(۴۰) بن حضرت ابو ایوب(۴۱) انصاری رضی اللہ تعالی عنہ''۔ ۱

قاضی صاحبؒ کے اس مادری نسب نامے میں حسب ذیل امور وضاحت طلب ہیں:

(الف) ابو منصور امت

پانی پت کے اس مشہور مردم خیز خاندان کے جد اعلی ابو منصور امت انصاری تابعی ہیں جو مشہور صحابی رسول حضرت ابو ایوب انصاریؓ (۳۱ ق ھ تا ۵۲ھ / ۶۷۲ء)، کے فرزند ارجمند تھے۔ عہد عثمانی میں بغرض جہاد افغانستان و ترکستان آئے اور فتح کے بعد خراسان و ترکستان کو اپنا مستقر بنا لیا۔

۱۔ نسب نامہ کے مآخذ: قلمی (۱) قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی: تعارف تفسیر مظہری، ق، ص ۲، ۳؛ — مطبوعہ عبدالحلیم: تذکرہ صالحیہ المعروف بہ تذکرہ رحمانیہ (سوانح عمری قاری عبدالرحمان محدث پانی پتی)، ص ۱۲ تا ۱۳۔ (از خواجہ خیرالدین — عدد ۱۰ الی آخرہ)۔

ہرات میں ان کی اولاد میں "پیر ترکستان" شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری (۳۹۶ھ/۱۰۰۶ء تا ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء) پیدا ہوئے، جو سلسلۂ عالیہ انصاریہ کے بانی اور اس علاقے کے مشہور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔

(ب) قاضی ملک علی ہراتی

شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری کی اٹھارھویں پشت پر قاضی ملک علی ہراتی پیدا ہوئے، جو ہندوستان کی انصاری شاخ کے بانی مبانی ہیں۔ وہ سلطان غیاث الدین بلبن (۶۶۵-۶۸۶ھ) کے زمانے میں بغرض سیاحت ہندوستان میں آئے اور حضرت شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی (م ۷۲۴ھ/۱۳۲۳ء) سے پانی پت میں ملنے کے بعد دوبارہ آنے کا وعدہ کرکے واپس دہلی چلے آئے۔ پھر ۴ شوال ۷۶۵ھ / ۱۳۶۳ء حسب وعدہ اپنے دو صاحبزادوں نظام الدین مسعود (بعمر ۱۴ سال) اور خواجہ نصیرالدین محمود (بعمر ۱۴ سال) کے ہمراہ دوبارہ عازم پانی پت ہوئے اور پھر شاہ بوعلی قلندر کے ایماء پر اپنے دونوں صاحبزادوں کو پانی پت میں ہی آباد کر دیا۔ مخدوم شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء عثمانیؒ (م ۷۶۵ھ/۱۳۶۳ء) نے ان دونوں ہونہار نوجوانوں کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اور اپنی دونوں صاحبزادیوں (زبیدۂ و فردوسہ) کے عقد ان سے طے کر دیے۔ یہاں ان دونوں کو عہدۂ قضا بھی ملا اور جاگیر بھی حاصل ہوئی۔

قاضی ملک علی ہراتی ۷۱۸ھ / ۱۳۱۸ء میں، خواجہ نظام الدین مسعود نے ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء اور خواجہ نصیرالدین محمود نے ۷۴۵ھ / ۱۳۴۴ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ مگر ان کا یہ خاندان مستقل طور پر یہاں آباد ہوگیا[1]۔

(ج) نواب لطف اللہ خان صادق تہور جنگ

نواب لطف اللہ خان صادق قاضی صاحب کے حقیقی نانا تھے۔ قاضی صاحب نے کچھ زمانہ ان کی آغوش تربیت میں بھی گزارا۔

نواب صادق متاخر مغلیہ دور کے سپہ سالار اور رئیس تھے۔ انھوں نے بہادر شاہ اول (۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء تا ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء) کے زمانے میں دربار سے تعلق پیدا کیا اور چھوٹے عہدے سے ترقی کرکے منصب امارت تک پہنچے۔ جہاندار شاہ کے عہد حکومت (۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء) میں عتاب شاہی نازل ہوا اور گھر بار سب کچھ ضبط ہوگیا[2]۔ فرخ سیر کے زمانۂ حکومت (۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء تا ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء)

۱۔ قاری ابو محمد محی الاسلام : تعارف تفسیر مظہری، قلمی، ص ۲ و ۳

۲۔ شاہ نواز خان : مآثرالامراء، ۳ : ۱۵۳

میں وہ قطب الملک سید عبداللہ (م ۱۱۳۳ھ/۱۷۲۰ء) کے ہمراہ دارالخلافہ دہلی کے بندوبست کے لیے مقرر ہوئے۔ بعد ازاں قطب الملک کے ایما پر انھیں ''دیوانی خالصہ'' کا منصب ملا۔ محمد شاہ کے دور حکومت (۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء تا ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) میں انھیں خانساماں کی خدمت، چھ ہزاری منصب اور شمس الدولہ بہادر تہور جنگ کا خطاب ملا۔ نادر شاہی حملے کے وقت وہ دہلی کے گورنر تھے۔ اسی زمانے میں بعض وجوہات کے باعث دوبارہ وہ عتاب شاہی کا شکار ہوئے۔ ان کا انتقال احمد شاہ کے دور (۱۱۶۱ھ/۱۷۴۷-۸ء تا ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۳ء) میں ہوا [۱]۔

خان صادق کے خطاب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب بہادر شاہ نے اپنے بھائیوں پر فتح پائی تو وزارت کے لیے جھگڑا پیدا ہوگیا۔ بادشاہ منعم خان کو خلعت وزارت دینا چاہتا تھا، مگر اسد خان نے اس پر اپنے حقوق ظاہر کیے کہ وہ عالمگیر کے زمانے میں وزیر رہ چکا ہے۔ اس موقع پر بادشاہ نے نواب لطف اللہ خان سے پوچھا تو انھوں نے اسد خان کے حق میں رائے دی۔ بادشاہ اس رائے پر بہت خوش ہوا اور انھیں ''خان صادق'' کا خطاب مرحمت کیا [۲]۔

نواب لطف اللہ خان صادق شعر و شاعری کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ نگار رامپور (اگست ۱۹۶۳ء) میں ان کی چند رباعیاں نقل کی گئی ہیں، ان میں سے حسب ذیل رباعی بڑی دلچسپ ہے:

گہے چو شانہ بہ زلف سیاہ می پیچم
گہے چو سرمہ بہ پائے نگاہ می پیچم
چنان بہ دیدن روے تو مشتاقم
کہ نامہ را بہ حریر نگاہ می پیچم [۳]

نواب صادق بڑے صاحب ہمت اور مخلوق الٰہی کو فیض پہنچانے والے بزرگ تھے۔ انھوں نے صد ہا یادگاریں چھوڑیں، جن میں سے کچھ تو فنا ہو چکیں اور کچھ قریب الفنا ہیں [۴]۔

۱۔ محمد ایوب قادری، حاشیہ مآثر الامراء، ۳: ۱۵۴

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً، بحوالہ نگار، رامپور، شمارہ اگست، ۱۹۶۳ء

۴۔ ایضاً